ٹرام جیکسن اور موداٹرالی

تحریر: سہیل احمد لون

ہمارے معاشرے میں افراد کا پیشہ بعض اوقات اس کے نام کا حصہ بن جاتا ہے۔گلزار قصائی، منظور تانگے والا، مولوی دوکاندار، بابا لوہار، عزیز گاڈی، طارق مجسٹریٹ، ناصر وکیل، بھولا سبزی والا، خالہ پہاڑن، طارق پہلوان، امین کجر، ڈاکٹر نسیم اور باؤ صدیق جیسے کئی نام صرف ہمارے محلے کا حصہ میں آئے۔اس کے علاوہ ماں باپ، بہن بھائی، رشتے دار یا محلّہ دار بھی بچوں کے اصل نام کی بجائے پیار سے کسی اور نام سے مشہور کر دیتے ہیں جیسے چاند، بھولا، ننھی، گڑیا، بٹیا، رانی، کاکا، سائیں، راجہ، گوگا، بلا وغیرہ ۔ایسے ہی ولادت کے دن کی نسبت سے بھی بعض اوقات نام یا عرفیت رکھ دی جاتی ہے جیسے روزوں میں پیدا ہونے والے کا نام رمضان، حج والے دن پیدا ہونے والے کو حاجی، عید کے دن پیدا ہونے والے کو عیدو کے کا نام دے دیا جاتا ہے۔نام رکھنے یا بگاڑنے کا رواج پاکستان میں ہی نہیں بلکہ ہر جگہ پایا جاتا ہے ۔چند برس قبل جرمنی میں ایک بچے کی ولادت ٹرام میں ہوئی تو اس کا نام ٹرام کی نسبت سے رکھ دیا گیا جبکہ ضلعی انتظامیہ نے بچے کے لیے تاحیات ٹرام میں سفر فری کرنے کا اعلان کر دیا۔اس کے علاوہ بچے کو یہ سہولت بھی دی گئی کہ جب تک وہ اٹھارہ برس کا نہ ہو جائے اس کے ساتھ ایک شخص فری سفر بھی کر سکتا ہے۔چند ماہ قبل ٹرین میں بچہ پیدا ہونے کے واقعات برطانیہ اور امریکہ میں بھی رونما ہو چکے ہیں۔ہوائی جہاز میں بھی بچے کی ولادت ہو چکی ہے، ائیر لائن کی طرف سے بچے کو تاحیات فری سفر کی سہولت کا تحفہ دیا گیا۔وطن عزیز میں چند برس قبل ایک بچہ رکشے میں اس وقت پیدا ہوا جب صدر آصف علی زرداری کا قافلہ سڑک سے گزر رہا تھا۔یہ وی آئی پی کلچر کا حصہ ہے کہ اگر صدر یا صدر نما کسی ہستی نے سڑک سے گزرنا ہو تو غریب عوام کی ٹریفک روک دی جاتی ہے مگر ٹریفک روکنے سے ولادت تو نہیں رکتی۔یہ تو واقعہ ان دنوں رونما ہوا جب میڈیا بہت متحرک اور آزاد ابھی نہیں ہوا تھا۔تقریباً تیس برس قبل ہمارے محلے میں ایک فیملی گجرات کے کسی گاؤں سے آ کر آباد ہوئی۔چند دنوں بعد ان کا کوئی رشتہ داران سے ملنے لاہور آیا تو اسے گھر نہیں مل رہا تھا۔گرمیوں کی چھٹیاں تھیں ہم سب دوست تھڑے پر بیٹھے تھے کہ وہ صاحب ہمارے پاس چلے آئے اور پوچھا: ''میں نے میاں منور کے گھر جانا ہے جو ریلوے میں ہیں ان کی بیوی گورنمنٹ سکول میں ٹیچر ہے اور ان کا ایک بچہ بھی ہے 10 سال کا۔ہم نے بچے کا نام پوچھا تو ان کے منہ سے یکلخت ''موداٹرالی'' نکل گیا۔پھر انہوں نے کہا کہ اس کا نام محمود ہے۔ہم نے ان کو محمود کے گھر پہنچا دیا۔مگر موداٹرالی ہمارے شرارتی ذہن میں ہمیشہ کیلئے نقش ہو گیا ۔ہم نے بھی محمود کو ''موداٹرالی'' کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔محمود نے ہم سے پوچھا کہ اس کا یہ نام تو اس کے آبائی گاؤں والوں کو ہی پتہ تھا ہم کو کیسے پتہ چلا؟ جب ہم نے اس کو بتایا کہ تمھارے رشتہ دار نے ہی ہمیں یہ نام بتایا ہے جو آپ کا گھر ڈھونڈ رہا تھا۔محمود نے ہمیں بتایا کہ اس کا نام موداٹرالی اس لیے مشہور ہوا کہ اس کی پیدائش ٹرالی میں اس وقت ہوئی جب اس کی ماں کو چارپائی سمیت ٹرالی پر رکھ ہسپتال لیجایا جا رہا تھا کہ ٹرالی کے جھٹکوں سے محمود کی پیدائش راستے میں ہی ہو گئی۔ٹرالی میں پیدا ہونے کی وجہ سے محمود کو گاؤں میں موداٹرالی کے نام سے مشہور کر دیا گیا۔محمود کو جب پنجاب پولیس میں نوکری ملی تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ہمارا محلّہ چھوڑ دیا تا کہ ''موداٹرالی'' کا

لیبل اسی محلے میں دفن ہو جائے۔

تقریباً ساڑھے تین دہائی قبل اسی طرح کی ایک ولادت زندہ دلان لاہور کو بھی سننی نصیب ہوئی۔ مون سون کی بارشیں اپنے بام عروج پر تھیں ،زیادہ بارشوں کی وجہ سے لاہور کے نشیبی علاقے زیر آب تھے۔ سہ پہر کا وقت تھا ہلکی سی بارش ہو رہی تھی ایسے میں برکت علی اپنی حاملہ بیوی کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر ہسپتال لے کر جا رہے تھے۔ برکت صاحب شمالی لاہور گھوڑے شاہ دربار کے قریب رہتے تھے اس دور میں اس علاقے میں کوئی سرکاری یا غیر سرکاری ہسپتال نہیں تھا۔ جب وہ گھوڑے شاہ روڈ سے جی ٹی روڈ جانے کے لیے سوامی نگر، تیزاب احاطہ میں داخل ہوئے تو سڑک پر کافی پانی کھڑا تھا۔ جیسے ہی برکت صاحب کی موٹر سائیکل مسجد کے سامنے پہنچی تو موٹر سائیکل کا پچھلا پہیہ بغیر ڈھکن کے گٹر میں چلا گیا، بیچارے دونوں موٹر سائیکل سوار گندے پانی میں گر گئے۔ ان کی بیوی زچگی کے قریب تھی اس حادثے کی وجہ سے ولادت کا عمل وہیں شروع ہو گیا۔ ایک عورت نے معاملے کی نوعیت کو دیکھ کر انہیں اپنے گھر بلا لیا جہاں ان کا بیٹا ''ساون'' پیدا ہوا۔ ماں باپ نے اسے سوہنا کہنا شروع کر دیا۔ مگر سوہنے کی غیر معمولی جگہ پر ولادت ہونے کی وجہ سے محلے کے شرارتی لڑکوں نے اس نام ''سوہنا ڈڈو'' (یعنی سونا مینڈک) رکھ دیا۔ ڈڈو اس نسبت سے کیونکہ وہ برسات کے گندے پانی میں پیدا ہوا تھا حالانکہ اس میں اس کی اپنی کوئی مرضی شامل نہیں تھی اور نہ ہی اس کے ماں باپ کی۔ مودے ٹرالی اور سوہنے ڈڈو کو ہمیشہ اس کرب سے گزرنا پڑا جس کا تصور بھی عام انسان نہیں کر سکتا۔ سوہنا ڈڈو آج کراچی میں بہت بڑے سرکاری عہدے پر فائز ہے اور گزشتہ دس برسوں میں کبھی اس نے اپنے آبائی علاقے میں آنے کی جرات نہیں کی۔

میں گزشتہ دنوں پاکستان گیا تو رات بھر موسلا دھار بارش ہوئی جس سے مجھے وہی نظارہ دیکھنے کو ملا جو بچپن میں بارش کے بعد آنکھوں کے سامنے ہوتا تھا۔ ہر طرف جل تھل، انجینئرنگ یونیورسٹی کے عقب میں گھوڑے شاہ روڈ، سوامی نگر، جی ٹی روڈ ریلوے سٹیشن، اک موریہ، دو موریہ پل، نسبت روڈ، لکشمی چوک، گوالمنڈی، شادباغ، داتا نگر، مصری شاہ، ایبٹ روڈ، فلیمنگ روڈ اور اسی طرح کے سینکڑوں نام بارش کے پانی میں غرقاب تھے۔ سوامی نگر اور تیزاب احاطہ جہاں کبھی ساون عرف سوہنا ڈڈو پیدا ہوا تھا آج بھی اسی طرح ٹوٹا پھوٹا ہے جیسے آج سے چالیس برس قبل تھا۔ حیرانگی کی بات ہے کہ یہ محلّہ لاہور کے تین مرتبہ میئر منتخب ہونے والے میاں شجاع الرحمٰن کا ہے۔ جہاں ان کی شازو لیبارٹری بھی تھی جو چند ماہ قبل مسمار کر کے کہیں اور منتقل کر دی گئی ہے۔ آج بھی ان کے بھائی میاں مصباح الرحمٰن میاں برادران کی شفقت سے ایک مرتبہ پھر ایم پی اے منتخب ہو کر پنجاب کے وزیر خزانہ منتخب ہو چکے ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ اس علاقے میں سوہنے اور ڈڈو پیدا ہونے بند نہیں ہوں گے کہ خزانے تو بادشاہوں کے ہوتے ہیں بھلا اس سے عوام کا کیا تعلق؟ میاں شجاع الرحمٰن اور میاں مصباح الرحمٰن بھی میاں برادرز کی طرح ضیاعی دور سے حکومت یا ضلعی انتظامیہ کا حصہ رہے ہیں۔ لاہور کو پیرس بنانے کے دعوی داروں کی حقیقت اس مرتبہ بھی برسات نے کھول کر عوام کے سامنے رکھ دی ہے۔ لاہور میں ڈوبن پورہ تو دیکھا تھا مگر حالیہ بارشوں کے بعد پورہ لاہور ڈوبن پورہ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ برسات کا سلسلہ جاری رہا تو سیلابی ریلے بھی غریبوں کے گھروں تک ایسے پہنچے گے جیسے سیاسی ریلیاں اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے غریب عوام تک پہنچ جاتیں ہیں۔ سیلابی ریلے گزر جاتے ہیں مگر اس کے اثرات غریبوں کے گھروں میں ایسا ڈھرنا

دیتے ہیں کہ پانچ سال تک لوگوں کی جان اس عذاب سے نہیں چھوٹتی مگران غریبوں کی حالت زار دنیا کو دکھا کر امدادی رقوم لی تو جاتی ہیں جس سے وہ کبھی بھی مستفید نہیں ہو پاتے۔ کشکول توڑنے کا نعرہ لگانے والے جلد ہی سیلاب زندگان کی دستاویزی فلم دکھا کر عالمی امداد کے لیے جھولی پھیلائے نظر آئیں گے۔ گزشتہ حکومت کے دور میں سیلاب اور برسات میں خادم اعلی فوٹوسیشن کرواتے نظر آجاتے تھے مگر اس بار یہ ذمہ داری خادم اعلیٰ جونیئر (حمزہ شہباز شریف) کے سپرد کر دی گئی ہے۔ اس معاملے میں حکومت یا ضلعی انتظامیہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک عوام بھی ساتھ نہ دے۔ وطن عزیز میں لوگ صفائی کا خیال صرف اپنے گھر کی چار دیواری تک محدود رکھتے ہیں۔ گھر کا کوڑا کرکٹ گلی میں پھینک دینا، کوڑا پلاسٹک کے شاپنگ بیگ میں ڈال کر جہاں مرضی پھینک دینا ایک عام سی بات ہے۔ گلی محلوں کے گٹر اکثر اس وجہ سے بند ہو جاتے ہیں کہ اس میں شاپنگ بیگ، کوڑا کرکٹ پھنس جاتا ہے کوڑے کو گٹروں میں بہانے کا رواج برسات میں زیادہ عام ہو جاتا ہے۔ جیسے لوگوں کو ڈینگی کے بارے میں آگاہی کی مہم چلائی گئی ایسے ہی ماحول اور علاقے کو صاف ستھرا رکھنے کی آگاہی کی مہم بھی چلانی چاہیے۔ تعجب کی بات ہے کہ صفائی نصف ایمان ہونے کے باوجود ہم آدھے ایمان کو ضروری نہیں سمجھتے، چند گھنٹے بارش ہو جائے تو گلی محلوں میں اتنا گند ہو جاتا ہے کہ مسجد میں داخل ہونے تک ہم نہ صاف رہ سکتے ہیں اور نہ ہی پاک۔ اگر ہماری حکومتوں، ضلعی انتظامیہ اور ہم نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا تو مستقبل میں سوہنا اور ٹرالی پیدا ہوتے رہیں گے۔ جو ایک انسان سے اُس کی حقیقی شناخت چھین کر عمر بھر کیلئے اُسے ذہنی کرب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

23-07-213.